کہ "گویند میر تقی میر در عالم شباب منظور نظر (خاکسار شاعر) بودہ"

تذکرہ کریم الدین میں ہے کہ میر نے خاکسار سے اصلاح لی ہے یہ بات بھی بہت دلچسپ ہے کہ میر نے اپنے تذکرہ میں خاکسار کی بہت برائی کی ہے۔

تصویر کا یہ دوسرا رخ نمایاں نہیں ہوگا اگر سعادت کا یہ واقعہ نہ لکھا جائے جس کا ذکر شاہ کمال نے اپنے نایاب تذکرہ مجمع الانتخاب میں بھی کیا ہے۔ مصحفی کے الفاظ یہ ہیں:-

"گویند روزے در مجلسے، دردانہ نام رقاصہ رقص می کرد اتفاقاً کفش نوئی انساں گم شد۔ ہر گاہ از مجلس برآمد کفش را نیافت ظرافتاً بدیہۂ از زبانش سرزد، ایں شعر ؎

سعادت، شب تماشے میں اگر تیرا نیا جوڑا گیا، تو جانے دے، دردانہ کے ٹھروں کے سر صدقے

مصحفی کے بیانات کی تائید سالار جنگ خانِ دوراں کے بیانات سے بھی ہوتی ہے انھوں نے سارنگی نواز، بین نواز، قوال، تشکم نواز، نقال، امرد، اور طوائفین کا ذکر اس تفصیل سے کیا ہے کہ زمانے کی عشرت پسندیوں کا مرقع پیشِ نظر ہو جاتا ہے اور اس عہد میں جو نور و ظلمت کی آمیزش اور زہد و رندی میں مفاہمت تھی وہ سامنے آجاتی ہے۔

مصحفی نے ادبی چوری کے واقعات بھی نقل کئے ہیں۔ ہم صرف ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو دلچسپ ہے:

امام بخش خاں کشمیری ایک روز مصحفی کے پاس آئے اور فرمائش کی کہ اپنا تذکرہ دکھا دیجیے۔ انھوں نے سادگی سے دیکھنے اور پڑھنے کے لئے دے دیا۔ اور میر شاہ حسین حقیقت نے جو امام بخش کے ملازم تھے سارا مواد سرقہ کر لیا۔

"خان مذکور روزے بر مکان فقیر آمدہ بالحاح تمام مسودۂ خام تذکرۂ مرا کہ دریں مدت بہ ہیچ کس نہ نمودہ بودم از من طلب نمود من سادہ دل غافل از فطرت و بدذاتی۔ کشمیریاں، سابقہ معرفت شاہ جہاں آباد۔ و آدمیت را کار فرمودہ اجزائے مسودہ تذکرہ خود را حوالہ کردم۔ در عرصۂ یک دو روزہ خفیہ از حسن اشعار و احوال شعرائے دہلی وغیرہ کہ من بہ محنت تمام آں را باہم

رسانیدہ بودم از دستِ "حقیقت بے حقیقت" نقل کنانید"

اس پر مصحفی کو بڑی ناگواری ہوئی اور انھوں نے حقیقت کی ہجو میں یہ قطعہ لکھا

جانتے ہیں سب کہ اک مدت سے یاں مصحفی کے تذکرے کا شور ہے

تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا بے حقیقت مصحفی کا چور ہے

اس زمانے میں ایک عام مرض یہ تھا کہ شاگرد نے اگر شہرت حاصل کر لی ہے تو وہ استاد کی استادی سے انکار کرتا تھا یا اپنے استاد سے بھی بڑے شاعر سے نسبتِ تلمذ ظاہر کرتا تھا۔

رقت کے بیان میں لکھا ہے: "مشقِ سخن از قلندر بخش جرأت کردہ لیکن بر زبانش چنین ست کہ من از جعفر علی حسرت کہ استادِ جرأت ست استفادہ کردہ ام"

محشر کے متعلق لکھا ہے "روزے بہ صحبتِ کیمیا خاصیت خواجہ میر درد نیز رسیدہ و بہمیں جہت خود را بہ شاگردیِ ایشاں متہم سازد"

اس زمانے کے سماجی انحطاط کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے۔ لیکن ابھی انفرادی زوال مکمل نہیں ہوا تھا۔ وقت کی ان عام مایوسیوں میں شرافت اور وضع داری کی حیرت انگیز مثالیں بھی مل جاتی ہیں مصحفی نے اپنے شاگردوں کے معاملے میں اور معاصرین کے متعلق رائے دینے میں بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے۔ دوسروں کا ذکر کرتے میں خود ان کے خلوت کدۂ ذات کا حجاب بھی اٹھ گیا ہے، ہر جگہ انھوں نے اعلیٰ صفات ہی پر زور دیا ہے۔ اس زمانے میں قدر و منزلت کی معاشی اساس کمزور ہو چکی تھی، لیکن دہلی کی تہذیبی قدریں ابھی ذہنوں میں زندہ تھیں، اس لئے مصحفی، دہلی اور اہلِ دہلی کو لکھنؤ میں بھی یاد کرتے ہیں اور وہ میر کی طرح لکھنؤ کو اور اہلِ لکھنؤ کی زبان کو دہلی کے مقابلے میں فروتر سمجھتے ہیں۔ لیکن مصحفی میں میر کی سی مضبوطی اور ثباتِ قدم نہیں تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کا طبعی ماحول اُن کی شاعری میں آہستہ آہستہ دبے پاؤں آ رہا ہے۔ اسی لئے اُن کی شاعری دہلی اور لکھنؤ کے دوراہے پر کھڑی ہے۔ گویا وہ آتش کی شاعری کا مقدمہ یا اشاریہ ہے۔

تنقیدیں بھی اُن کے ہاں میر کی سی انتہا پسندی، خود اعتمادی اور اُن کے وہ حسین عیوب یعنی قطعیت اور پہلو دار طنز نہیں ہے میانہ روی ہے جو بعض جگہ کمزوری کی سرحد تک پہنچی ہے۔ تاہم اُن کے تذکرے اس زمانے کی فضا اور ادبی معیاروں کو سمجھنے میں

رشید یاسمی کا فلسفۂ اخلاق

از

(جناب لکشمی نرائن وششٹ تابش ایم - اے)

(۲)

مشہور و معروف ضرب المثل ہے کہ جو دوسروں کے لئے کنواں کھودتا ہے اس میں خود ہی گرتا ہے۔ (چاہ کن را چاہ درپیش) جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کی سوچتا ہے وہ خود نقصان اٹھاتا ہے اور اپنے آپ کو رنج اور تکلیف کا موجب بناتا ہے نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے واسطے کنوئیں کھود کر اپنا فائدہ متصور نہ کرے۔ اور انسانیت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ دوسروں کا نقصان اپنا نقصان سمجھے ؎

ساعی کیفر گرفت کیفر بسیار سخت — حاسد پاداش یافت پاداشی بس عجیب

بندے نیکو ست ایں از پی دیوانیاں — زانکہ بد، بدسگال شود ہم اور الضعیب

["شیر بیمار"]

اقتصادیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کی آرزوئیں بے شمار ہیں۔ ابھی ایک پوری ہونے بھی نہیں پاتی کہ دوسری آرزو پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آدمی خواہشات کا سمندر ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی بھی اپنی تمام آرزوؤں کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ ان گنت آرزوؤں کو انسانی زندگی کے اتنے قلیل عرصہ میں پورا کیا جائے یعنی انسان کی زندگی تو چند روزہ ہے اور آرزوئیں لامحدود ؎

با عمر چو آرزو و ہمی سنجیم — ایں بر سر خاک و آں بہ گرد و نست

عمرم بحساب ناید از خردی — وانگہ امل از حساب بیروں است

آں ذرہ و ایں چو کوہ الوند است — آں قطرہ و ایں چو رود جیحون ست

["عمر و آرزو"]

بُرے خیالات سے بُرے کام ظہور میں آتے ہیں کیوں کہ اگر خیالات میں پاکیزگی ہے تو کاموں میں بھی افضلیت ہے آدمی ویسا ہی بنتا جاتا ہے جیسے اس کے خیالات و احساسات ہوتے ہیں خیالات ہی انسان کو ڈھالتے ہیں۔ نیک خیالات ہی انسان کو ترقی کی منزلیں طے کراتے ہیں اور گندے خیالات ہی انسان کو قعرِ مذلت میں ڈالتے ہیں۔ جس طرح ایک چنگاری سارے شہر کو خاکستر کر سکتی ہے اسی طرح سے ایک بُرا خیال تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ ہر چیز کی ابتدا چھوٹی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ بڑا ہوتا ہے

که از فکرِ بد بر دمد کارِ بد | چناں کز یکی دانه نخلی بلند
خیالی بر آرد ز جانی دمار | شراری رساند به شهری گزند

["اندیشۂ ناپسند"]

جب کوئی بات تمام بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے کہی جاتی ہے تو اس سے ہر خاص و عام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور اس کے خلاف جو بات اپنے فائدہ کے واسطے کہی جاتی ہے۔ اس کا کم اثر ہوتا ہے۔ جب معاملہ ذات پسندی تک پہنچ جاتا ہے۔ تو بات میں کم اثری آہی جاتی ہے۔ اسی واسطے تو بے غرض انسانوں کی باتوں میں زیادہ اثر پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنی بھلائی سے بالاتر ہو کر کہتے ہیں۔
جب ایک پتھر تالاب میں پھینکا جاتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کا اثر بڑھتا جاتا ہے ؎

بگوی آنچه پسندیده دانی و هرگز | گماں مدار که گفتار بے اثر گردد
ز بهرِ سودِ کساں گو، نه بهرِ شهرتِ خویش | که قولِ بے غرضاں در جہاں سحر گردد
سخن چو سنگی باشد فکنده در شمری | که هر زماں اثر آں بزرگتر گردد

["تاثیرِ سخن"]

سُستی موت اور چُستی زندگی ہے۔ امید اور کوشش دو ایسی چیزیں ہیں جو انسانی تگ و دو کو آسان کرنے میں مدد دیتی ہیں اور جن کی بدولت ہر مشکل سہل بن جاتی ہے اس لئے لازمی ہے کہ کاہلی کو ترک کر دینا چاہئیے۔ اور "کوشش ناتمام" کے بل بوتے پر ہر کام کی بنیاد رکھنی چاہئیے کیوں کہ اُمید سے کام کرنے کی لگن لگی رہتی ہے ؎

تو نیز بہ پیچ تن آساں مشو کہ سعی و امید   دو شہپر است کہ آساں کند ترا پرواز

["سعی و امید"]

جو کام دل اور جان سے کیا جاتا ہے اس میں سچی اور اصلی کامیابی ہوتی ہے۔ یہی تندہی وہ چیز ہے جو اعلیٰ مدارج طے کراتی ہے۔ کیوں کہ اصل میں اسی کام سے خوشی حاصل ہو سکتی ہے جو دل لگا کر کیا جائے کوشش کرنا انسان کا فرض ہے۔ اور کامیابی دینا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کوئی آدمی کام کرتے کرتے مر جائے یا ناکامیاب رہے تو یہ بات اس کے لئے قابلِ فخر ہے "They never fail who die in a great cause" کیوں کہ اس کا فرض کام کرنے کا تھا اور اس نے اس فرض کو پوری ایمانداری اور جانفشانی سے نبھایا۔ لیکن اس کے خلاف جب آدمی محنت سے کام نہیں کرتا اور مر جاتا ہے۔ تو یہ اس کے واسطے شرم کی بات ہے۔ اگر انسان سے محنت کی لگام چھوٹ جائے تو اس کے ہاتھ میں "لوہا" بھی "نرم" ہو جاتا ہے ؎

بہر کار و حرفت کہ پیش آیدت   دل و دستت اندر عمل گرم باد
اگر توسن ملک رام تو نیست   چہ غم آہن اندر کفت نرم باد
چو کوشی ز میری ترا فخر ہست   چو حسبی و مانی ترا شرم باد

["کار"]

مور بڑا خوبصورت جانور ہے لیکن جب وہ اپنے پیروں کی طرف نظر بھر کر دیکھتا ہے تو شرمندگی کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگتے ہیں (اسی طرح سے ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہوتا ہے صرف خدا کی ذات نقائص سے بالاتر ہے) رشید یاسمی نے "گوزن" کے مشہور قصہ کو بڑے لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔ بارہ سنگا جب اپنی ٹانگوں کو دیکھتا ہے تو بے حد خوش ہوتا ہے اور اس کے ساتھ سینگوں کو دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے۔ اس قصہ کو ختم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو چیز ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے اسے ہم ناپاک سمجھتے ہیں اور جو چیز ہمیں لذت بخشتی ہے۔ اسے ہم "عزیز" گردانتے ہیں۔

How ill do we judge what is best for us

یعنی ہم فائدہ دینے والی چیز کو نقصان دینے والی چیز خیال کرتے ہیں ؎

ما را پلید باشد ہر چہ مفید — ما را عزیز باشد ہر چہ لذیذ

["گوزن"]

اگرچہ اپنے عیب اپنی ذات سے چھپے نہیں رہتے لیکن انسانی آنکھ میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ وہ دوسروں کی عیب جوئی زیادہ کرتی ہے یعنی دوسروں کے عیب نکالنے میں بڑی ماہر ہے۔ اور اسے اپنے عیب نظر ہی نہیں آتے۔ جب اپنے عیب دوسروں کی نگاہ سے دیکھے جائیں تو حقیقت اس وقت کھلتی ہے۔ اس سے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان صرف اپنے ہی عیبوں کو دیکھ کر دوسروں کو دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ میں کوئی کبھی برا معلوم نہیں ہوتا ؎

نہ بینی جز خود و خود را نہ بینی — کہ از تو نیست کس ہیچوں تو مستور

بچشم دیگراں بیں عیب خود را — کہ چشم تو بود از عیب خود کور

["عیب"]

اپنا کام اس خیال سے دوسرے کے سپرد کر دینا کہ وہ اسے اپنا کام جان کر کرے گا یہ بات دائرہ امکان سے باہر ہے کیوں کہ جیسا کام خود کیا جاتا ہے ویسا دوسرا ہرگز نہیں کر سکتا۔ رشید یاسمی نے بھی بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ بیگانہ پر بھروسہ کر کے اپنا کام چھوڑ دینا اپنے آپ کو کمزور کر دینا ہے اس لئے دوسرے پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ خود اس کام کو کر لینا چاہئے ؎

کہ ہیچ چیز کساں را چناں ضعیف نہ کرد — کہ تکیہ کردن بر غیر خویش کرد ضعیف

["تکیہ بر غیر"]

حسرت موہانی فرماتے ہیں ؎

غیر کی جد و جہد پر تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ — کوشش ذاتِ خاص پر ناز کر اعتماد کر

ہر طرح کے آدمیوں میں گھل مل کر آدمی بہت کچھ سیکھ سکتا ہے غرضیکہ آدمی ایک ایسا شیشہ ہے

جس میں اس کے عیب اور ہنر صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ ہر انسان کی قدرتی چیزیں یا عادتیں یکساں اور ملی جلتی ہیں۔ آئینہ میں جیسی چیز دیکھی جاتی ہے وہ ہوبہو ویسی ہی نظر آتی ہے اگر ایک کالا آدمی آئینہ میں اپنی شکل دیکھے اور اس آئینہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تو اس میں آئینہ کا کوئی قصور نہیں بلکہ قصور اُس کی بدصورتی کا ہے اس لئے خوبصورتی اور بدصورتی کی بحث بے سود ہے اور ہر ایک کے واسطے لازم ہے۔ کہ وہ بُرے اور اچھے آدمی کے ساتھ مِلے جُلے اور تنہائی اس لئے تلاش نہ کرے کہ میں بُرے لوگوں میں بیٹھ کر بُرا ہو جاؤں گا۔ کیوں کہ یہ ضروری نہیں کہ ایک آدمی کے اندر بُرے آدمی کے ساتھ بیٹھنے سے بُری عادتیں گھر کر جائیں۔ بلکہ اگر وہ مضبوط ارادے اور نیک چال چلن کا آدمی ہے تو وہ بُرے آدمی کی بھی بُری عادتوں کو چھڑا سکتا ہے۔ انسان اچھی اور بُری عادتوں کا مجسمہ ہے لیکن شرط بلند کردار کی ہے ؎

مجوی عزلت دبا نیک و بد ہمی آمیز — کہ مردم آئینۂ مردم است در ہر حال
از آں خصال کہ در خویشتن نہاں داری — ہمیشہ یابی در طبع دیگراں تمثال
چو آں سیاہ مشو کاندر آئینۂ رخ خویش — بدید و بشکست آئینہ از شرم مثال

["آئینۂ اخلاق"]

جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ ہی ہمارے سامنے آتا ہے۔ جو ظلم و ستم ہمارے اوپر ہوتا ہے اس کا سبب ہم خود ہیں۔ ہمیشہ رہنے والی خوشی صرف خدا کی دین ہوتی ہے اُسی کی عنایت سے اُس خوشی میں کبھی زوال واقع نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی چیز بغیر محنت اور مشکل کے حاصل نہیں کی جا سکتی ؎

آں رخ کہ ہر چہ بر سر ما میرود زماست — بر ما جفا کہ راند کہ بر ما ز ما جفا ست
حلوے بذارد آدمی الّا ز خویشتن — آنکس کہ حد شکستن داند بگو کجاست
با ہر سرور و بہجت رنجی و محنتی است — آں بہجتی کہ کم نہ شود بہجت خدا است

["بزمِ ہل"]

وہ انسان، انسان نہیں جو بنی نوع کے لئے دردمندی۔ اور ہمدردی نہیں رکھتا۔ جس کا دل دوسرے کے دکھ درد میں شریک نہ ہو اور جو اپنے بھائی کو مصیبت میں دیکھ کر اس کی مدد نہ کرے۔ انسان

کو درد مندی اور انسانیت کا پتلا کہا گیا ہے۔ وہ انسان فرشتہ خصلت ہے جو دوسروں کے رنج اور راحت میں برابر شامل ہوتا ہے۔ جس کا دل غریبوں کی آہ سے بے چین ہو جاتا ہے۔ اور جو بے کسوں کی دل وجان سے اعانت کرتا ہے۔ وہ خود غرضی اور نفس پرستی کو بالائے طاق رکھ کر بے نواؤں کی حتی المقدور خدمت کرتا ہے اور اس کی درد مندی اور دردِ انسانیت دنیا کو خوشبو کی مانند مہکا دیتی ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کرتا ہے ایسے ہی نیک سرشت لوگوں پر دنیا کا نظام قایم ہے ؎

خرم آنکس کہ چوں در پہنِ دشتِ زندگی — ماندۂ بیند بیاری سوی او پوید ہمی
کارہائے بے نوایاں را روا سازد بہ مہر — دردہائے خستہ جاناں را دوا جوید ہمی
جوید و پوید چو شخصی، جوید و پوید بدرد — گریہ و موید چو طفلی، گریہ و موید ہمی
گر ببیند وزد نبیند وزد زبہرِ نفعِ خویش — ور بگوید سر برای سود خود گوید ہمی
طبعِ او ہر جا کہ باشد ہمچو ابر آردنثار — خلقِ او ہر جا کہ باشد ہمچو گل بوید ہمی

("خزاں")

کیلنڈر نئے سال کی خوشخبری دیتا ہے۔ اور جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں تو بیتے ہوئے دنوں کی یاد انگڑائی لینے لگتی ہے۔ یعنی ہمارے سامنے ایامِ گذشتہ کی ہلکی سی جھلک آجاتی ہے۔ ہم اسی گذشتہ ماحول میں بسیرا کرنے لگتے ہیں، ہمارے دلوں میں رنج اور خوشی کے سوئے ہوئے ارمان جاگ اٹھتے ہیں اس واسطے مناسب یہی ہے کہ ہم گذرے ہوئے دُکھ درد کو یاد نہ کریں اور انھیں بالکل فراموش کردیں اور جو آنے والے زمانے میں خوشی کے دن آئیں انھیں ہوشیاری سے کام میں لائیں اور اُن سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ جب موقعہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ تو شہد بھی زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ آج ایک چیز فائدہ مند ہے اور وہی کل نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔ جو کچھ کیا جائے وہ موقعہ ومحل دیکھ کر کیا جانے ؎

تقویم بشارت دہد از نو شدن سال — وز خرمی و خوبی و فرخندگی فال
گیتی زپس گریہ و غم باز بہ خندد — ہر رنج و غمی را طربی ہست بدنبال

آں بہ کہ فراموش کنیم اندہ یاریں — اکنوں کہ جہاں راہم دیگر شود احوال
آں بہ کہ غنیمت شمریم عشرتِ امروز — آگہ نتواں بود کہ چوں است سرانجام
ہر جام پُر از شہد کہ در وقت نہ نوشند — چوں وقت بشد، زہر شود شہد در آں جام

["اغتنامِ فرصت"]

افسوس اور ماتم کرنے سے کام نہیں چلتا۔ ہر مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جوشِ عمل اور حسنِ تدبیر کی ضرورت پڑا کرتی ہے جو وقت جیسا گذر گیا اچھا ہوا۔ اب اس پر افسوس اور رنج ظاہر کرنا بے سود ہے اس لئے ضروری ہے کہ جو وقت باقی رہ گیا ہے اسے ٹھیک اور مناسب طریقوں سے استعمال کیا جائے کیونکہ وقت، اتنی تیزی سے گذر جاتا ہے کہ پتہ بھی نہیں لگتا۔ وقت بڑا قیمتی ہے۔ انسانی زندگی میں فرصت کے اوقات بہت کم ملتے ہیں اور یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ہر تکلیف کے بعد آرام اور ہر بہار کے بعد خزاں کا دور دورہ ہوتا ہے ؎

دریغ وقتِ گرامی، دریغ عمرِ عزیز — دریغ نوبتِ کوتاہ و فرصتِ ناچیز
گذشت فرصت و از کارِ خود پشیمانم — دریغ و درد کہ تدبیرِ خود نمی دانم
بہار بینم و صیف و خزاں و بہمن و دی — بگاہنامہ درون گشتہ پی در پی
دلی ندانم از بس شتاب و سرعتِ عمر — کہ کی گرفت بہار و خزاں بیامد کی
چنانکہ طی کنم اوراقِ گاہنامۂ خویش — مرا زماں کُند اوراقِ زندگانی طی
ہمیں نتیجہ بدست آمد از تجربۂ سال — کہ ہر بہار خزانش باشد اندر پی

["تقویم"]

زندگی متضاد چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی۔ انسان چونکہ سماج کا ایک ممبر ہے اس لئے اسے سر چھپانے کی جگہ ڈھونڈنا پڑتی ہے اور روٹی پانی کا دھندہ بھی کرنا ہوتا ہے اسی سے اس انسانی سماج کی رونق قایم ہے اس کے لئے دین، ملک و ملت کا نگہبان ہونا لازمی ہے ؎

زندگانی خار و خرما، نوش و نیش باہم است — گنج در ویرانہ پنہاں است و گُل اندر سرپ

آدمی را ہمچو مرغان آشیانی درخور است
کاندر آں معروف گردو بال و نان مکتسب
آدمی را حفظ دین و حفظ ملک و حفظ جفت
واجب است و کارہائے دیگر او مستحب
["در خانہ"]

ایک جگہ اور فرماتے ہیں ؎

اے دل دژم مباش کہ تقویم گو بدیت
سال دگر ز عمر چو طے بعد گذشت
فرصت شمار باقی ایام و کار کن
فرصت دگر بدست بنیاید اگر گذشت
["ہمہ گذشت زمانہ"]

"خواب و خور میں گذرنے والے سو سال سے وہ دن بہتر ہے۔ جو خیر و خوبی میں گذرے۔" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک دن کوئی ٹھوس کام کیا جائے تو وہ ان سو سال سے لاکھ درجہ اچھا ہے جو کہ فضول اور بے کار گذارے جائیں۔ ؎

روزی اگر بہ خیر گذری ہزار بار
بہتر ز سالہا است کہ در خواب و خور گذشت
["گذشت زمانہ"]

ہر آرام اور تکلیف کل کی وجہ سے ہے دنیا کی تمام چیزیں بوڑھی ہو جاتی ہیں لیکن کل ہمیشہ جوان ہی رہتی ہے اس لئے آج کا کام آج اور کل کا کل کرنا لازم ہے جس کی وجہ سے نظام زندگی قائم رہ سکے ؎

ہر آں رنج و ہر آں راحت کہ مار است
ہمہ از بیم و از اُمید فردا ست
ہمہ چیز جہاں پیری پذیرد
بجز فردا کہ او ہموارہ برناست
"ہمیں امروز لیکن کارِ امروز
کہ فردا او برائے فردا ست"
["فردا"]

دنیا میدانِ کارزار ہے۔ عقل اور جسم اسے فتح کرنے کی تدابیر کرتے ہیں اور اسی لئے مصروفِ کار ہیں۔ اس دنیائے رنگ و بو میں عمل کی ایک بہت بڑی اہمیت ہے۔ عمل ایک ایسی سعادت مندی ہے جو روح کو آرام اور تن کو طاقت بخشتی ہے اگرچہ کام کرنے والا فنا ہو جائے لیکن کام باقی رہ جاتا ہے

کام کنندگان فانی ہیں اور کام غیر فانی حیثیت رکھتا ہے۔ کام انسانی زندگی کا سرمایہ ابدیت ہے۔ اور یہی اس کے بنے نام و ناموس پیدا کرتا ہے اور اگر پوچھا جائے تو کام ہی زندگی ہے اور کام ہی پرستش۔ بغیر عمل کے ہمارے قوا رشل ہو جاتے ہیں اور ہمارے اندر تساہل پسندی، جمود اور کسبل وغیرہ برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں ؎

جہاں مصارف جدال و تنازع است دراں　　نہ خامشند عقول و نہ ساکنند اجسام
اگر بجنت بلندی بگیر دشس پستی　　وگر بخواست سلامت بکاید تش اسقام
سعادتِ بشر اندر عمل بود نہ خمول　　نمایشِ ہنر اندر عمل بود نہ کلام
عمل مفرحِ روح و عمل مقوی تن　　عمل معرفِ ذات و عمل محافظِ نام

علامہ اقبال نے کہا ہے ع

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

شرف فرماتے ہیں ؎

شرف اعمال کر اچھے کہ جو عقبیٰ میں کام آئیں　　وہاں جنت نہیں دنیا سے جنت ساتھ جائے گی

"گیتا" کی تعلیم کا نچوڑ بھی عمل ہی ہے۔ اسی بنیاد پر شری کرشن جی نے ارجن (جنگ مہابھارت کا ہیرو) کو لڑنے پر آمادہ کیا اور تلقین کی کہ ترکِ عمل سے بہتر عمل کرنا ہے، پیہم عمل کرنا زندگی کا ثمرہ ہے، دل کو اسی وقت تسلی ہو گی جب "نشکام کرم" کیا جائے گا، ہر کام نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر خدا کے لئے کرنا چاہئے۔ ہر صورت میں کام سے وابستگی رکھنا ضروری ہے اور عمل نہ کیا جائے تو تن کا قیام ناممکن ہو جاتا ہے۔

خوش قسمت انسان وہ ہے جو متضاد چیزوں کے اثرات سے بالاتر ہو یعنی جس پر متضاد چیزوں کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ نہ خوشی سے خوش ہوتا ہے اور نہ غمی سے غم زدہ۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسے دماغی توازن حاصل ہو گیا ہے۔ وہ ہر طرح کے انسان کے ساتھ اپنے آپ کو اسی کے مطابق ڈھال لیتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہاں کے ہر پھول کے ساتھ کانٹا لگا ہوا ہے ؎

خرم آں دانا کہ از غم خاطرش را نیست باکے — باید و نیک جہاں بیقرارش نیست کاری
نہ زرنجی و سختی نہ ز محنتی بر جاں گزندی — نہ زاندوہی خراشی، نہ زغمی بر دل غباری
آرزوی گل نہ بندد، زانکہ در باغ زمانہ — نیک مے داند کہ باشد ہر گلی را پیش خاری
نہ گشاید خندہ بر ردی مردِ شادکامی — نہ نشاند قطرۂ در پیش مرد سوگواری
خندد آری لیک بر کار جہاں و عہدِ گیتی — کش نہ بر شادی ثباتی، کش نہ بر اندوہ قراری
ہر کجا اندوہ غم بیند بدانجا میگراید — زاندماں جوید حسابی وز غماں گیر دشماری
گردی افسردہ یابد گر دوش خاطر فسردہ — در گلی پژمردہ بیند افتدش در دیدہ خاری
با ژندان چوں نژندی، با حزیناں چوں حزینی — با غریباں چوں غریبی، با نگاراں چوں نگاری

"گیتا" نے بھی اُس آدمی کو "قائم العقل" بتایا ہے جو دشمنی، دوستی اور محبت، نفرت سے بے نیاز ہے اور یہ متضاد باتیں اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ بعض اوقات لوگ خود کام نہیں کرتے اور اس کا الزام اپنی تقدیر کے سر تھوپتے ہیں۔ خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے اور قصور قسمت کا بتاتے ہیں ؎

چو خود نہ کوشی و از بختِ کام نستانی — مگر بخت بیاورد و آسماں نگذاشت

ایک طرف سے روپیہ کمایا جاتا ہے اور دوسری طرف خرچ ہو جاتا ہے یعنی آخر کار نفع نقصان برابر رہتا ہے ؎

ہر مایہ و ہر فیض کہ بخشندہ بہ ما داد — زیں جیب برآورد و بجیب دگر انداخت

کم جاننے والا شیخی بگھارتا پھرتا ہے اور اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتا لیکن عالم کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح شاخ میں پھل لگ جاتا ہے تو وہ نیچے کی طرف جھک جاتی ہے۔ اسی طرح سے عالم میں عاجزی اور انکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ مشہور سائنسداں نیوٹن کا مقولہ کون نہیں جانتا؟ شیخی مارنا اور تھوڑا جاننے پر اکڑ دکھانا رذیلوں کا کام ہے ؎

کم ظرفی دل بیں کہ ز دانستنِ حرفی — صد و لولہ در گنبدِ افلاک در انداخت

بہت سے لوگ کسی آدمی کی ترقی کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتے ان کا دل اس کی ترقی اور